واقعہ کربلا: ایک تجزیہ

مؤلف: ڈاکٹر محسن حیدر نیا
مترجم: مولانا مقداد حیدر روحانی

واقعہ کربلا ایک اہم اور ہمیشہ باقی رہنے والا واقعہ ہے جس کا اسلامی معاشرہ پر بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ واقعہ کربلا آج بھی زندہ ہے اور کل بھی زندہ رہے گا لیکن اس کی حیات ابدی کی وجہ کیا ہے؟ دوسری اہم بات یہ ہے کہ واقعہ کربلا روز عاشورہ سے ہی ایک تحریک میں تبدیل ہو گیا تھا یعنی ایسا نہیں ہے کہ بعد کے زمانے میں علماء، ذاکرین اور محققین کے ذریعہ یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہوا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ واقعہ کربلا امام حسینؑ کی نورانی شخصیت کی وجہ سے روز عاشورہ سے ہی ایک تحریک اور مکتب فکر میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس حقیر کی نظر میں علماء، خطبا اور ذاکرین صرف اس تحریک کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں نہ کہ اسے تحریک کی شکل دیتے ہیں۔ اس مضمون میں قدیم منابع اور مآخذ سے استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ مختلف واقعات کے بیچ تعلق کو ظاہر کیا جا سکے۔

بہت سے مورخین اور محققین نے سنہ ۶۱ ہجری میں رونما ہونے والے واقعہ عاشورہ کا ''واقعہ کربلا''، ''انقلاب حسینی''، ''قیام حسینی''، ''واقعہ طف یا نینوا'' اور ''مکتب عاشورہ'' جیسے مختلف عناوین کے تحت تجزیہ و تحلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تمام تعبیریں اپنی جگہ صحیح ہیں جس سے اس واقعہ کی کثیر الجہتی اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور دوسری طرف اس واقعہ کی حقیقت اور ماہیت کو بیان کرنے میں پیش آنے والی دشواری بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ہم اس مضمون میں واقعہ عاشورہ کے ابدی اور ہمیشگی ہونے کے باب میں اپنی تحلیل کو پیش کریں گے۔

زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ حوادث و واقعات فراموش ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں بہت بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے لیکن سب صفحات تاریخ کا حصہ بن گئے اور سماجی عرصہ حیات میں کوئی اہم کردار

نبھانے سے قاصر رہے۔ بیشک واقعہ کربلا کے گہرے اثرات اور ابدی ہونے کے راز کو اس واقعہ کی کیفیت اور دونوں گروہ کی شخصیات میں تلاش کرنا چاہئے۔

واقعات اور خاص کر معرکہ جنگ کا لوگوں پر بڑا اثر پڑتا ہے لیکن واقعہ کربلا میں نہ صرف یہ کہ امام حسینؑ اس واقعہ سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ اس واقعہ پر اثرانداز بھی ہوئے جس کی وجہ سے یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہوگیا۔

تاریخ میں کربلا سے زیادہ بڑے اور خونین واقعے رونما ہوئے ہیں لیکن یہ واقعات ہرگز تحریک میں تبدیل نہ ہوسکے لیکن امام حسینؑ کی جوانمردی، انسانی برتاؤ اور گفتار، حریّت، شجاعت، ایمان اور معنوی خطبوں کی وجہ اسی دور میں واقعہ کربلا ایک تحریک میں تبدیل ہوگیا تھا۔ ہم نے اس مضمون میں اس کی تحریک کے چھ مہینہ کے دور کا تجزیہ کیا ہے۔ ہم نے آپؑ کی مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت اور پھر کربلا میں شہادت کا تجزیہ کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ کن اسباب کی وجہ سے یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہوگیا۔

واقعہ کی شروعات

اس واقعہ کی دوررس وجوہات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اسے نیمہ ماہ رجب سنہ ۶۰ ہجری سے شروع کرتے ہیں۔یزید لعین اپنے باپ معاویہ کا جانشین بنااور جلد بازی میں اپنے پہلے حکم نامہ میں، حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھ کر تاکید کرتا ہے: خُذِالحُسین وَ عَبْدَاللہ بنِ عُمر وعَبْدَاللہ بن زبیر اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصة حتی یُبایِعوا وَالسَّلام۔ ترجمہ: حسینؑ، عبداللہ ابن عمر، وعبداللہ ابن زبیر کو گرفتار کرکے اتنا دباؤ بناؤ کہ بیعت کے علاوہ کوئی بہانہ نہ رہ جائے والسلام![1]

ولید نے یزید کے حکم کو ان افراد (عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر) تک پہونچایا جنھوں نے اس کا مثبت جواب دیا بلکہ انہوں نے امام حسینؑ کو بھی یزید کی بیعت سے انکار کرنے کے خطرات سے آگاہ کرنے

۱۔ خوارزمی، موفق بن احمد، مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۱۹۰؛ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (جلد ۳)، ص ۲۶۹؛ اربلی، علی بن عیسی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ص ۴۲؛ دینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، ص ۲۲۷؛ ابن اعثم کوفی، محمد بن علی، الفتوح، ص ۸۲۲

کی کوشش کی۔ عبداللہ بن زبیر رات کی تاریکی میں مکہ کی طرف بھاگ گیا لیکن امام حسینؑ پوری بہادری کے ساتھ اور واضح الفاظ میں یزید کی بات کا منفی جواب دیا اور اس کی وجہ یوں بیان فرمائی:

اَیُّھاالاَمِیْر اِنَّا اَھْلُ بَیتِ النَّبوّۃ وَ مَعْدَنِ الرّسَالہ و مُخْتَلف المَلائِکۃ وَ مَھْبِطَ الرَّحمة بِنَا فَتَحَ اللہ وَ بِنَا یَخْتِمُ، وَ یَزیدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخَمر وقاتِلُ النَّفْسِ المُحْتَرَمة مُعلِنٌ بالْفِسق و مِثلِی لا یُبایعُ مِثلَهُ وَ لٰیکن نُصبِحُ و تُصبِحونَ و نَنظُرُ و تَنظرونَ اَیُّنَا اَحَقُّ بالخِلَافَةِ وَ البیعة۔ ترجمہ: اے ولید! ہم اہل بیت نبوت و معدن رسالت اور ملائکہ کے نازل ہونے کی جگہ ہیں اور نزول رحمت کا مرکز ہیں جہاں فتوحات الٰہی کا آغاز اور انجام ہم سے ہوتا ہے جب کہ یزید لعین، شراب خور، نفس محترمہ کا قتل کرنے والا اور علنی طور پر فسق وفجور کرنے والا ہے۔ اس صورت میں میرے جیسا، اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا لیکن ہم اور تم کل تک انتظار کریں گے کہ ہم میں سے کون خلافت اور بیعت کا مستحق ہے۔[1]

جیسا کہ واضح ہے اس عبارت میں بہت اہم مسائل کو مختصر لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

۱. طرفین کی شخصیت میں واضح فرق موجود ہے۔ امام حسینؑ اہلبیت نبوت اور معدن رسالت ہیں اور ایسے گھر میں پرورش پائی ہے جو ملائکہ کی آمد و شد اور رحمت و وحی کے نازل ہونے کی جگہ ہے اور آپ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو باب اللہ ہے لیکن طرف مقابل یزید لعین ایک مرد شرابخوار، قاتل اور علنی طور پر فساد کرنے والا ہے۔

۲. امام حسینؑ اس واضح فرق سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ مجھ جیسا آزاد مرد ایسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔

۳. امام حسینؑ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یزید جیسا شخص خلافت جیسے بڑے منصب کے لائق نہیں ہے اور ایسے شخص کی بیعت نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ لوگوں اور اسلام کے حقوق کی پامالی ہے۔ امام حسینؑ جانتے ہیں کہ بڑے کاموں کو عظیم انسانوں کے سپرد کیا جانا چاہئے ورنہ تباہی اور بربادی ہوگی۔

۱۔ تاریخ الامم والملوک (جلد ۳)، ص ۲۷۰؛ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۱۸۵؛ الفتوح، ص ۸۲۷

حقیقت میں یزید لعین اپنی حکومت کے دوران (۶۰-۶۴ ہجری قمری) ایسے ناشایستہ اعمال کا مرتکب ہوا جس نظیر اسلام میں نہیں ملتی۔ انھیں میں سے ایک کربلا کا واقعہ تھا جس کا بیان آئے گا اور واقعہ حرّہ (مدینہ کے نزدیک ایک مکان) جس میں تین دن کے لئے مدینہ میں لوگوں کی جان، مال اور ناموس کو اپنے سپاہیوں کے لئے مباح کردیا اور تیسرا واقعہ عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کرنے کے لئے کعبہ کو آگ لگانا ہے جہاں خانہ خدا میں منجنیق کے ذریعہ آگ لگائی گئی اور بیت عتیق کا لحاظ نہیں کیا گیا۔[1]

یزید کے انہیں اعمال نے بہت جلد اور اچھی طرح سب پر یہ واضح کردیا کہ امام حسینؑ نے کیوں یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا اور آپ کے کلام کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے جب آپ نے فرمایا تھا:

> ''میں بھی اور تم بھی صبح کا انتظار کرو، اور پھر گزرتا ہوا وقت یہ بتائے گا کہ ہم میں سے کون خلافت ''کے لائق ہے۔''[2]

امام حسینؑ کے اس مختصر جواب نے آن حضرتؑ کی حکمت عملی کو واضح کردیا۔ دوسری طرف یزید کا سخت رویہ بھی اخذاً شدیداً اور لیست فیہ رخصۃ[3] جیسے جملوں سے ظاہر ہو گیا تھا لہٰذا یزید لعین کا مطالبہ اور امام حسینؑ کا واضح جواب اس واقعہ کا آغاز تھا۔

مدینہ سے مکہ کی طرف سفر

حاکم مدینہ امام حسینؑ کو گرفتار کرنے پر مامور تھا۔ امام حسینؑ جانتے تھے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے لہٰذا آپ اپنے افراد خاندان اور کچھ ساتھیوں کے ساتھ ۲۸ رجب سنہ ۶۰ ہجری کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ سے روانگی اور چاہنے والوں سے خداحافظی کے وقت، آپ کے رقت بھرے جملے خاص کر اپنے جد گرامی کی قبر مبارک سے رخصت ہوتے وقت بیان کئے گئے جملے، دلوں پر درد بھرے اثر چھوڑ گئے

۱۔ مسعودی، علی بن حسین، مروج الذہب و معادن الجوہر (جلد ۳)، ص۶۸-۷۲؛ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، ص ۲۵۰

۲۔ مفید، شیخ محمد بن نعمان، الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، ص ۲۰۰

۳۔ دینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، ص ۲۲۷؛ تاریخ یعقوبی، ص ۲۴۱؛ تاریخ الامم والملوک (جلد ۳)، ص ۲۶۹

جو شروع سے ہی اس واقعہ کے درد بھرے اور اہم ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔[۱] ایسا واقعہ جس کے درد بھرے پیغام نے زمانہ اور تاریخ کو اپنے قبضہ میں کرلیا اور سینہ بہ سینہ بعد کی نسلوں کو منتقل ہوتا رہا۔

امام حسینؑ کو حالات کا بخوبی اندازہ تھا اور آپ جانتے تھے کہ مستقبل میں تلخ واقعہ پیش آنے والا ہے۔ مدینہ سے رخصتی کے وقت اپنے بھائی محمد حنفیہؒ سے امام حسینؑ نے جو وصیت فرمائی ہے اس کے مطالعہ سے قیام امام حسینؑ کے اہداف و مقاصد بخوبی واضح ہوتے ہیں:

"بسم اللہ الرحمنِ الرحیمِ، ھذا ما اوصی بِهِ الحسینُ بنُ عَلی بنِ ابی طالبِ اِلی اخیہِ محمد المَعروفِ بِابنِ الحَنَفیةِ: اِنَّ الحسینَ یشھدُ اَن لا الہ الا اللّٰہُ وَحدَہُ لا شریکَ لَہُ و اَنَّ مُحَمَّداً عبدہُ و رَسولُہُ جاءَ بِالحَقِ مِن عِند الحَقِ و اَنَّ الجَنَّةَ و النارَ حقٌّ و اَنَّ السّاعَةَ آتیةٌ لا ریبَ فیھا و اَنَّ اللّٰہَ یبعثُ مَن فی القبورِ و اَنّی لَم اَخرُج اَشِرا و لا بَطِرا و لا مُفسِدا و لا ظالماً و اِنّما خَرَجْتُ لِطَلَبِ الاصلاحِ فی امّةِ جَدی، اریدُ اَن آمُرَ بِالمَعروفِ و انھی عَنِ المُنکرِ و اسیرَ بِسیرَةِ جدی محمد و مَن رَدَّ عَلی ھذا اَصبِرُ حتی یقضی اللّٰہُ بینی و بَینَ القومِ بِالحقِّ و یحکمَ بینی و بینھُم و ھو خیرُ الحاکمینَ و ھذا وصیای یا اخی اِلیکَ و ما توفیقی الا باللّٰہِ علیہ توکّلْتُ و اِلیہِ انیب۔

ترجمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وصیت ہے حسین بن علی بن ابی طالب کی اپنے بھائی محمد بن حنفیہؒ کے لئے۔ حسین گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور خدا کی طرف سے جو حق ہے وہ لے آئے اور جنت و جہنم حق ہیں اور بے شک قیامت آئے گی اور خدا سبھی لوگوں کو جو قبروں میں ہیں زندہ کرے گا۔ میں نے سرکشی، طغیان، فساد اور ظلم کے لئے قیام نہیں کیا ہے بلکہ میں اپنے جد کی امت کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہوں، میں

۱۔ الفتوح، ص ۸۳۰

امر بہ معروف اور نہی از منکر اور اپنے جد محمدؐ اور باپ علی بن ابی طالب کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں۔ اگر میں تم کو حق پر نظر نہیں آتا تو میں صبر کروں گا جب تک کہ خدا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے اور میرے اور ان کے بیچ حکم کرے اور وہ ہی بہترین حاکم ہے۔ یہ میری وصیت ہے تم کو اے میرے بھائی اور خدا میرا مددگار ہوگا۔ میں نے خدا پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جاؤں گا۔[۱]"

امام حسینؑ اس وصیت نامہ میں سب سے پہلے توحید کی معرفت کو بیان کرتے ہوئے اپنی حیثیت کو عالم ہستی میں ایک انسان کے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں اور مبدا و معاد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ حقیقتاً جو انسان اس طرح کی معرفت کا حامل ہو اور گہرائی سے اس پر یقین رکھتا ہو، ایسا شخص خاص طریقہ کار اور روش کا حامل ہوتا ہے اور عملی زندگی میں یقیناً اس شخص کا کردار دوسرے لوگوں سے الگ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر کا عکس العمل امام حسینؑ کے عکس العمل سے بالکل مختلف تھا؛ کیونکہ ہر ایک جداگانہ معرفت اور شخصیت کا حامل ہے جو کہ فردی، اجتماعی اور سیاسی کردار کو شکل وصورت عطا کرتا ہے۔

امام حسینؑ حضرت رسول خداؐ اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے پروردہ تھے اور سبط رسولؐ اور فرزند علیؑ ہونے کے ناطے ان بزرگوں کے راستہ کو آگے بڑھانا ان کا فرض تھا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ نیکیوں کو کس طرح نظر انداز کیا جارہا ہے اور برائیوں کو بڑھایا جا رہا ہے۔ امامؑ خود نیکیوں کے ظہور کا مرکز ہیں اور یزید جو کہ فسق وفجور کا اعلانیہ مرتکب ہوتا ہے، آپ کو دھمکی دے رہا ہے۔ امام حسینؑ کی نظر میں یزید کی بیعت ذلت وخواری کے علاوہ کچھ اور نہیں تھی۔ امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کرکے اس کی تائید نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے مکہ سے نکلتے وقت آپ اپنے قیام کی وجہ کو واضح لفظوں میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

۱۔ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۱۸۸؛ الفتوح، ص ۸۳۳

"میرا قیام (انقلاب) فقط میرے جد رسول خداؐ کی امت کی اصلاح، نیکیوں کی طرف ہدایت اور برائیوں سے روکنے کے لئے ہے۔ میں چاہتا ہوں اپنے جد محمدؐ اور اپنے پدر علی بن ابی طالبؑ کی سیرت پر گامزن رہوں"۔

امام حسینؑ پوری آگاہی کے ساتھ قیام کرتے ہیں اور اس کے تلخ نتیجے سے بھی بخوبی واقف ہیں اسی لئے محمد حنفیہؒ سے وصیت کے بعد مدینہ سے باہر نکلتے وقت آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفاً يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ[1]۔ ترجمہ: موسی وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے) اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔[2]

آپؑ اپنے اصحاب اور افراد خانوادہ کے ساتھ اصلی راستہ سے ہوتے ہوئے دس روز کی مسافرت کے بعد شہر مکہ میں وارد ہوئے۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ خفیہ راستہ سے چھپ چھپا کر مکہ جائیں لیکن امام علیہ السلام نے ان کے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ آپؑ کا ہدف روشن اور واضح تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ لوگ مسائل سے مطلع نہ ہوں بلکہ اس کے برخلاف امام علیہ السلام نے مختلف راستوں سے گذرتے ہوئے لوگوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی۔

مکہ میں وقتی اقامت اور سفر کوفہ کی تیاری

مدینہ سے ماہ رجب کے آخری ایام (۲۸ رجب سنہ ۶۰ ہجری) میں سفر کا آغاز ہوا تھا اور امام حسینؑ ماہ شعبان سنہ ۶۰ ہجری کے شروع میں مکہ پہونچ چکے تھے۔ امام حسینؑ مکہ میں تقریباً چار مہینہ مقیم رہے۔ (پہلی شعبان سے آٹھ ذی الحجہ سنہ ۶۰ ہجری تک) اس عرصہ میں امام حسینؑ نے تقریروں اور خطوط کے ذریعے حجاز اور عراق کے لوگوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی اور لوگوں نے آپ کا استقبال بھی کیا۔ عراق،

۱۔ سورہ قصص، آیت ۲۱
۲۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، باب سوم، ص ۳۳۳؛ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، مقتل الحسین، ص ۷

خاص کر شہر کوفہ سے بہت سے خطوط آئے جس میں امامؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی اور عدالت کے نفاذ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں امامؑ کی مدد کرنے کا بھی ذکر تھا۔[1]

ایک طرف عبداللہ بن زبیر اور اس کے ساتھی مکہ میں امام حسینؑ کو رقیب کی نظر سے دیکھ رہے تھے[2]، اور دوسری طرف یزید لعین نے والی مکہ کو امامؑ پر نظر رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے علاوہ عمرو بن سعید بن عاص کو آپؑ کا پیچھا کرنے اور شاید قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔[3] ان ساری باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے امامؑ نے مکہ سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا۔ امامؑ کا عبداللہ بن زبیر سے ملنے کا طریقہ اور مکہ میں یزیدیوں سے مقابلہ نہ کرنے کا آپ کا حتمی ارادہ، آپ کی الٰہی سیرت کا مظہر ہے۔ ان حالات میں امام علیہ السلام کی توجہ کوفیوں کی طرف سے بھیجے گئے خطوط کی طرف مبذول ہوئی جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔[4]

امام حسینؑ نے نیمہ ماہ رمضان سنہ ۶۰ ہجری میں اپنے بھائی جناب مسلم بن عقیل کو مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ کیا تاکہ کوفیوں کے خطوط کی اصلیت اور ان کے ارادوں کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے[5]۔ جناب مسلم بڑی زحمتوں کے بعد کوفہ پہونچے۔ امامؑ کے چاہنے والوں خاص کر کوفہ کی اہم شخصیات جیسے ہانی بن عروہ نے حاکم کوفہ نعمان بن بشیر کی متزلزل اور کمزور حکومت کو دیکھتے ہوئے، مختلف قبائل اور بااثر افراد کو امام حسینؑ کی حمایت کے لئے آمادہ کیا۔

جناب مسلم نے کوفہ کے حالات کو امام حسینؑ کے حق میں پایا اور امامؑ کو کوفہ کے موجودہ حالات سے آگاہ کیا۔ مکہ کا دشوار ماحول، کوفیوں کے خطوط اور امامؑ کو کوفہ بلانے پر ان کا اصرار کرنا اور جناب مسلم کی طرف سے کوفہ کے حالات کی تائید، ان ساری وجوہات کی بنا پر امام علیہ السلام نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا اور آٹھویں یا نویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ ہجری کو اپنے گھر والوں کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ کے حالات اتنے خراب تھے کہ امامؑ نے عبداللہ بن عباس جیسے لوگوں کی مشفقانہ نصیحت کو بھی نظر انداز کیا جو امامؑ کو عراق جانے سے منع کر رہے تھے۔

۱۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک (جلد ۷)، ص ۲۹۲۳-۲۹۲۵؛ الاخبار الطوال، ص ۲۲۹-۲۳۰؛ الفتوح، ص ۸۳۹-۸۴۲

۲۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک (جلد ۷)، ص ۲۹۶۶-۲۹۶۷

۳۔ مقتل الحسین (جلد ۱)، ص ۲۲۰

۴۔ تاریخ رسل والملوک، ص ۲۹۲۳-۲۹۲۴

۵۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۰؛ الفتوح، ۸۴۲

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب و انصار تقریباً بیس دنوں کا مشقت بھرا سفر طے کرکے ذی الحجہ کے آخری دنوں میں شہر کوفہ کے قریب پہونچے۔ مختلف منزلوں کو طے کرتے وقت امامؑ اپنی تقریروں اور خطبوں کے ذریعہ اپنے انصار کی تھکاوٹ کو دور کرتے رہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور دوسرے لوگوں کو اپنے انسانی مقاصد اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کے فریضہ سے آگاہ کرتے ہوئے، شک و شبہ کے گرد و غبار کو ان کے دل و دماغ سے صاف کرتے رہے۔ یہ تقریریں، معرفت اور معنویت سے بھرپور تھیں جس سے امامؑ اور آپ کے اصحاب و انصار کا مقصد واضح ہو رہا تھا اور جس کے ذریعہ یہ واقعہ ایک تحریک میں تبدیل ہو رہا تھا۔

امام حسینؑ کوفہ اور کربلا میں

اس طاقت فرسا سفر کے بعد امام حسینؑ اور ان کے انصار کو یہ امید تھی کہ اہل کوفہ ان کا گرم جوشی سے استقبال کریں گے اور مہمان نوازی کا حق ادا کریں گے لیکن افسوس مکہ سے باہر نکلنے سے لیکر اب تک بہت سے واقعے رونما ہو چکے تھے جو غیر متوقع تھے۔ نعمان بن بشیر کو ہٹایا جا چکا ہے اور سفاک و خونریز عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی ہے[1]۔

مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ شہید ہو چکے ہیں[2]۔ کوفہ کے خوف زدہ لوگ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ یزید اور عبید اللہ کے ساتھ ہو گئے ہیں، کوفہ کے وفادار لوگ خانہ نشین ہو گئے ہیں یا ابن زیاد کے قید خانہ میں مقید ہیں۔ کوفہ والوں کو امام حسینؑ اور ان کے افراد خاندان کا پرتپاک استقبال کرنا چاہئے تھا اور ان کے مقصد میں ان کی مدد کرنی چاہئے تھی لیکن افسوس وہ کھنچی تلواروں اور بلند نیزوں کے ساتھ اطراف کوفہ میں امام حسینؑ اور ان کے انصار کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

لوگ مختلف ارادوں کے ساتھ جمع ہوئے تھے تاکہ ایک بہت ہی تلخ واقعہ کو رقم کریں۔ ان میں سے کچھ لوگ عصر جاہلیت کی قبایلی جنگ کی فضا کو قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اس خوف سے لرز رہے تھے کہ فرزند رسول امام حسینؑ کے مقابلہ میں ہم نے کیسے تلوار اٹھالی ہے؟ کچھ توبہ اور معرکہ

۱۔ الاخبار الطوال، ص ۲۳۲-۲۳۳؛ مقتل الحسین، ص ۱۶-۲۱

۲۔ ایضاً، ص ۳۲

جنگ سے الگ ہونے کے فراق میں تھے، کچھ بغض وکینہ کی زیادتی کی وجہ سے جنگ وقتال کی کوشش کررہے تھے۔

دوسری طرف جب امام حسینؑ کی بھوکی اور پیاسی، مختصر سی فوج، تلواروں اور نیزوں سے لیس دشمن سے روبرو ہوئی تو ان کی تھکاوٹ میں مزید اضافہ ہوا لیکن ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہیں ہوا کیونکہ اس سے پہلے اس واقعہ یا اس سے بھی تلخ واقعہ کے رونما ہونے کی پیشنگوئی ہو چکی تھی۔

امام حسینؑ اپنے خطبوں اور تقریروں کے ذریعہ کوفیوں کو آگاہ کرنا چاہا۔ مختلف منازل پر لوگوں کو آگاہ کرنا، چاہے وہ اپنے اصحاب رہے ہوں یا دشمن کا سپاہی ہو، اس واقعہ کو تحریک میں تبدیل کرنے کا ایک حصہ تھا جس میں امامؑ کو کامیابی بھی ملی۔ امامؑ نے کوفیوں کے خطوط کو ان کے سامنے ڈال کر فرمایا:

"میں تمہاری دعوت پر یہاں آیا ہوں اگر تم نہیں چاہتے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔"

لیکن عبیداللہ بن زیاد کی فوج یزید کے بہت ہی سخت اور غیر انسانی مطالبہ یعنی "بیعت یا خون"! پر اصرار کررہی تھی۔ جس کے نتیجہ میں کوئی تیسرا راستہ نہیں تھا۔ امامؑ نہ جنگ کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی بیعت لہٰذا کوئی دوسرا راستہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن عبیداللہ کے فوجی پھر بھی بیعت پر اصرار کرتے ہیں۔ وہ بیعت جو منطق اور عقل کے لحاظ سے زبوں حالی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور حسینؑ ایسے حریت پسند انسان ہیں جو ذلت کو پسند نہیں کرتے۔ آپؑ کا یہ بیان بہت مشہور ہے:

"اِنَّ الدّعی و ابن الدّعی قد رَکَزنی بین السلّة و الذِّلَّة، هَیهَات مِنَ الذِلَّة۔ ترجمہ: ناپاک کے بیٹے نے مجھے شمشیر اور ذلت دو چیزوں کے درمیان مخیّر قرار دیا ہے، تو یاد رکھنا ذلت ہم سے کوسوں دور ہے۔"

امام حسینؑ کی نظر میں یہ بیعت ذلّت، تحقیر اور بیچارگی ہے۔ یہ تحقیر اور ذلت صرف امام حسینؑ کی نہیں ہے بلکہ یہ ذلت اور زبونی، اخلاق حسینی، سیرت علوی، سیرت نبوی اور ان تمام چیزوں کی تحقیر ہے جنہیں امامؑ کے جدّ گرامی نے بڑھاوا دیا اور جس کے لئے پیغمبر اکرمؐ مبعوث ہوئے اور تمام انسانی کرامتوں کی تحقیر ہے جنہیں آپؑ کے والد گرامی امام علیؑ نے اپنے خطبوں میں بیان فرمایا ہے۔

امام حسینؑ کی ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ یزید جیسے کی بیعت کرلے، جب کہ دشمنوں کی یہی خواہش ہے کہ حسینؑ، یزید جیسے ہوجائیں۔ امام حسینؑ ایسی عظمتوں کے حامل ہیں کہ موت اور شہادت کو عین سعادت جانتے ہیں: اِنِّی لَا اَریٰ الْمَوْتَ اِلاَّ السَّعَادَۃ۔ اور اپنے جدِّ بزرگوار کے دین کے احیا اور بلندی کے لئے اپنے دل وجان کو خداوند متعال کے سپرد کرکے، اپنے جسم اور بدن کو تلواروں کے حوالے کردیتے ہیں۔

"اِنْ کَانَ دِینُ محمد لَم یَسْتَقِمِ اِلاَّ بِقَتلِی فَیَا لِلْسُیُوفُ خُذِیْنِی: ترجمہ: اگر دین محمدؐ سوائے میرے قتل کے باقی نہیں رہتا تو اے تلوارو مجھے لے لو!"

کربلا اور عاشورہ

ماہ محرم سنہ ۶۱ ہجری کا آغاز ہوا اور جنگ ہونا طے ہوگئی۔ امام حسینؑ، ابن زیاد کے سپاہیوں سے حجت تمام کررہے تھے اور آہستہ آہستہ آپ کا قافلہ کوفہ سے دور اور کربلا (نینوا) سے نزدیک ہوتا جارہا تھا۔ امام حسینؑ کے ساتھیوں نے خیموں کو کربلا میں نصب کردیا اور دو تین روز بعد یعنی نو محرم کی شام کو دشمن کے لشکر نے حملہ کرنا چاہا لیکن امام حسینؑ نے ایک رات کی مہلت لے کر جنگ کو دوسرے روز (عاشورہ) تک ملتوی کرادیا۔ شب عاشورہ پوری رات امام حسینؑ اور ان کے اصحاب اپنے خدا سے راز و نیاز میں مشغول تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ کل شہادت کا دن ہے[۱]۔ امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے لئے ایک درد بھرا اور پرجوش خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے سب سے پہلے پروردگار کا شکر ادا کیا کہ جس نے انہیں نبوت جیسی کرامت، قرآن کی تعلیم اور دین کی فہم سے آراستہ کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"یہ یزیدی لشکر میرے درپئے ہے اور میں رات کی تاریکی میں تم لوگوں کو یہ اختیار دے رہا ہوں کہ جہاں چاہو چلے جاو اور اپنی جان بچالو"۔

لیکن امامؑ کے باوفا اصحاب کا جواب نہ کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ نہیں ہرگز ہم آپ سے جدا نہیں ہونگے![۲]

۱۔ مقتل الحسین، ص ۷۷

۲۔ اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۳۸؛ مقتل الحسین، ص ۷۲

واقعہ کربلا کو ایک تحریک میں تبدیل کرنے میں کیا ان خطبوں کی اہمیت سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ کس تاریخی جنگ میں ایسے سخت شرائط میں اس طرح کے خطبے جاری ہوئے ہیں اور کہاں ہیں ایسے بہادر جنہوں نے جنگ کی خاص شرایط کی وجہ سے انسانی اور اخلاقی حدوں سے تجاوز نہ کیا ہو لیکن امام حسینؑ واقعہ سے متاثر نہیں ہیں بلکہ آپ نے خود اس واقعہ پر اثرانداز ہو کر اسے ایک تحریک میں تبدیل کر دیا۔ آپ ایک دلخراش واقعہ میں گھرے ہیں لیکن ہرگز ذرہ برابر بھی اخلاق اور انسانی حدوں سے آگے نہیں بڑھتے اور ان تمام حدوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔

وہ لوگ ارادہ اور معرفت کی بنیاد پر اس معرکہ میں شریک ہوئے ہیں اور اب اپنی آخری عارفانہ مناجات میں مشغول ہیں اور در اصل اس واقعہ کو مکتب اور تحریک میں بدلنے کی معنوی کوشش میں مشغول ہیں۔ اسی لئے انہوں نے شب عاشورہ تمام رات عبادت اور تفکر میں گزار دی۔ روز عاشورہ یزیدی لشکر نے حسینی لشکر کے سامنے صف آرائی کی۔ عبیداللہ ابن زیاد کا عظیم لشکر، امام حسینؑ کے مختصر ساتھیوں کے مقابلے احساس حقارت کر رہا تھا۔ امام حسینؑ اور ان کے انصار کی مقاومت، بہادری اور ایمان کربلا کی فضا پر طاری تھی۔ امام حسینؑ کے افراد خانوادہ کی موجودگی، آپ کی بہن جناب زینب(س) سے لے کر بھائیوں، بیوی، بچّوں اور چچازاد بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے پورے کربلا کے ماحول پر محبت وعشق کی فضا حاکم تھی اور اس بات کا بھی واقعہ کربلا کے ابدی ہونے پر اثر پڑا۔ اس طرف ایک مختصر سا قافلہ اور اُس طرف ایک بڑا لشکر۔ امام حسینؑ نے اتمام حجت کے لئے لشکر مخالف کے سامنے تقریر کی لیکن وہ شقی القلب افراد تھے اس لئے جنگ کا واقع ہونا حتمی تھا!

پہلا تیر عمر سعد کی فوج کی طرف سے مارا گیا۔ امام حسینؑ کے جانثار اور انصار ایک ایک کر کے میدان میں آئے اور بہادری سے جنگ کرتے ہوئے، امامؑ کے سامنے جام شہادت نوش کرتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک مجاہد نے جنگ سے پہلے، رجز کے اشعار پڑھے جس میں انہوں نے اپنے مولا کے سلسلہ میں اپنی معرفت کو بیان کیا۔[1] ان معنی خیز اشعار کے دقیق مطالعہ سے، اپنے انصار کی معنوی تربیت اور اس واقعہ کو ایک تحریک میں بدلنے میں امام حسینؑ کے کردار کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۔ مقتل الحسین (جلد) ۲، ص ۹-۳۳۱؛ اعلام الوری باعلام الہدی، ص ۲۴۴ کے بعد

ہاں امام حسینؑ کے انصار ایک ایک کرکے تمام تر معرفت کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوتے رہے۔ امام حسینؑ بھی ہر ایک کے سرہانے آتے رہے اور انھیں جنت کی بشارت دیتے رہے۔اس کے بعد بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے جوش وولولہ کے ساتھ امامؑ سے جنگ کی اجازت طلب کی اور میدان جنگ کو روانہ ہوتے رہے اور امام حسینؑ کی آنسو بھری آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے رہے اور امام حسینؑ ان کو عزت کے ساتھ گود میں اٹھاتے رہے اور ان کو خوشخبری دیتے رہے کہ میں بھی بہت جلد تم سے ملحق ہونے والا ہوں!

عورتوں اور مظلوم بچوں کے نوحوں اور فریاد کی آوازیں بلند تھیں لیکن میدان جنگ میں امام حسینؑ کا وجود ،اب تک ان کے لئے سکون کا باعث اور درد کا مرہم تھا۔ بغض وکینہ سے بھری دشمن کی فوج نے دھیرے دھیرے اپنے امام زمانہ پر عرصہ حیات تنگ کردیا۔ان کے جسم اطہر کو آماجگاہ نیزہ وشمشیر بنا ڈالا اور معصوم اولاد پیغمبرؐ کے پاکیزہ خون کو زمین کربلا پر بہادیا۔[1]

امام حسینؑ شہید ہوگئے، لیکن واقعہ کربلا اور عاشورہ حسین ابن علیؑ کی شخصیت کے سایہ میں زندہ وجاوید ہوگیا۔امام حسینؑ کا خون سرزمین کربلا پر جاری ہوا، لیکن آپ کی تحریک پوری دنیا اور کرہ خاکی پر نافذ ہوگئی۔

منابع و مآخذ

- ابن اعثم کوفی، محمد بن علی، الفتوح، ترجمہ محمد بن احمد مستوفی ہروی (قرن ششم)، تصحیح غلام رضا طباطبائی مجد، انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی تہران، ۱۳۷۲ش
- ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی، مقتل الحسین، ترجمہ و تصحیح، حجت اللہ جودکی، (تحت عنوان قیام جاوید) مؤسسۂ انتشاراتی تبیان، تہران، ۱۳۷۷ش
- اربلی، علی بن عیسی، کشف الغمہ فی معرفہ الأئمہ، مطبعہ العلمیہ، قم، ۱۳۸۱ق
- خوارزی، مقتل الحسین، موفق بن احمد مکی، تحقیق شیخ محمد سماوی، انتشارات مکتبہ المفید، قم
- دینوری، ابو حنیفہ احمد بن داود، الاخبار الطوال، انتشارات شریف رضی، قم، ۱۳۶۸ش
- طبرسی، امین الاسلام، فضل بن حسن، اعلام الوری بأعلام الہدی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۱۔ الفتوح ص ۹۱۰؛ تاریخ یعقوبی (ج ۲)، ص ۲۴۵

❖ طبرسی، محمد بن جریر، تواریخ الرسل والملوک، ترجمہ ابوالقاسم پاینده، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران، تہران، ۱۴۰۸ق

❖ مسعودی، علی بن حسین، مروج الذہب ومعادن الجوہر، تحقیق اسعد داغر۔ دارالجواہر، قم، ۱۴۰۹ق

❖ مفید شیخ محمد بن نعمان، الارشاد فی معرفہ حجج اللہ علی العباد، سید ہاشم رسولی محلاتی، انتشارات علمیہ اسلامیہ، تہران

❖ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب (بن واضح یعقوبی)۔ تاریخ الیعقوبی، دار بیروت، بیروت